مطبوعات

آتاترک | تالیف جناب محمد مرزا صاحب دہلوی۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ مجلد بجلد نفیس۔ قیمت دو روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ کتب خانۂ علم و ادب، دھلی۔

مصنف نے ازراہ انکسار اس کتاب کو آتاترک کی سوانحعمری قرار دیا ہے لیکن اگر وہ اسے "قصیدۂ نعتیہ در شان آتاترک علیہ السلام" کے نام سے موسوم کرتے تو زیادہ موزوں ہوتا۔ پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ترکی میں ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو تمام ممکن التصور کمالات کا مجموعہ، جملہ عیوب و نقائص سے منزہ، اور بڑی حد تک فوق البشری قوتوں سے مسلح تھا۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کیا خوب ہی کیا، قسم کھانے کو بھی کہیں اس سے غلطی سرزد نہ ہوئی، جہاں جس کسی انسان سے بھی اس کا اختلاف ہوا وہاں وہی حق پر تھا اور اس سے اختلاف کرنیوالا ہی برسر غلط بلکہ اخلاقی گنہگار تھا، اس کے جن جن افعال پر دنیا میں کہیں کسی وقت نکتہ چینی کی گئی ہے ان سب میں وہ خطا و لغزش سے پاک نظر آتا ہے اور خطا اگر پائی جاتی ہے تو خود نکتہ چینیوں میں نہ کہ حضرت آتاترک میں۔ قصہ مختصر یہ کہ مصنف کے الفاظ میں "آتاترک کی شخصیت قدیم اور جدید تاریخ میں بالکل منفرد نظر آتی ہے اور ڈھونڈے سے بھی کوئی انکا مثیل نظر نہیں آتا"۔ صلوا علیہ و آلہ۔

یہ تمام مبالغہ جس شخص کے حق میں کیا گیا ہے اسے مرے ہوئے ابھی کچھ بہت زیادہ دن بھی نہیں گذرے ہیں کہ ماضی کے دھندلکے سے فائدہ اٹھا کر اسے دیوتا بنا ڈالا جائے۔ پرانے زمانے کے پتھر کو آج ہاتھی بنایا جا سکتا ہے مگر ہم عصروں کی آنکھوں میں آپ کہاں تک خاک جھونکیںگے۔ بلاشبہ آتاترک ایک اچھا جنرل تھا۔ قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی جاتی تھیں۔ سیاسی تدبر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا۔ اسکی رہنمائی میں ایک شکست خوردہ قوم تباہی سے بچ گئی اور اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا۔ اس کارنامے پر اس کی جتنی چاہیے تعریف کر لیجیے۔ لیکن تہذیبی و تمدنی مسائل میں اس کے علم و بصیرت کا معیار ہمارے کالجوں سے نکلے ہوئے عام "صاحب بہادروں" سے کچھ بھی زیادہ اونچا نہ تھا۔ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے بعد جب احسان مند ترکی قوم کو اس نے اپنا گرویدہ پایا تو اسے اپنے متعلق یہ غلط فہمی

ہوگئی کہ میں حکیم بھی ہوں اور ایک نئی قوم کی تعمیر بھی صحیح طور پر کر سکتا ہوں۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اس نے ترکی قوم کی تعمیر جدید کا کام تنہا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان تمام لوگوں کو جو اس عالم میں کم از کم اس سے زیادہ علم و بصیرت رکھتے تھے، میدان سے ہٹا دیا۔ اس طرح مختار مطلق بننے کے بعد اس نے جو کچھ کیا مغربی تہذیب کا ہر مشرقی نقال اس کے سے اختیارات پا کر وہی کرتا۔ کسی مجتہدانہ فکر، کسی قوت انتخاب، کسی صلاحیت تنقید اور کسی آزادانہ اختراعی قابلیت کا اس کے پورے کارنامے میں ادنیٰ شائبہ تک نہیں ملتا۔ خیالات، اصول، طریقے، سب ہی چیزیں تو وہ مفلس دماغ کا انسان یورپ سے مانگ لایا اور اپنے ذاتی اجتہاد سے ذرہ برابر کام لیے بغیر جوں کا توں اپنی قوم کے سر منڈھتا چلا گیا۔ اس بیچارے میں اتنی تمیز بھی نہ تھی کہ یورپ کے اسباب عروج اور اسباب تنزل میں فرق کرتا۔ عام سطحی النظر لوگوں کی طرح اس نے بھی یہی سمجھا کہ برسر عروج قوموں کی ہر چیز اچھی ہے۔ چنانچہ وہ مفید چیزوں کے ساتھ ایسی بیماریاں بھی ترکی میں لے آیا جن کی وجہ سے خود یورپ کی زندگی آج تباہ ہو رہی ہے۔ یہ کونسا ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کی بنا پر اس شخص کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے؟ دنیا کے تہذیبی معماروں کی صف اول میں تو درکنار وہ غریب تو ان کی صف آخر میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں۔ ایک کاپی نویس کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیے تعریف کر لیجیے کہ بہت صحیح نقل کرتا ہے اور نقل و اصل میں ذرا فرق باقی نہیں رہنے دیتا۔ مگر کیا انشا پردازوں کی مجلس میں اس کو دہلیز پر بھی کھڑے ہونے کی جگہ مل سکتی ہے؟ ہم یورپ کے ان ناخداشناس مفکرین کی قدر کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنے زور طبع سے کسی نئے نظام فکر و مذہب عمل کی بنا رکھی۔ مگر اتاترک اور رضائے پہلوی جیسے تھرڈ کلاس آدمیوں کی ہم کیا قدر کریں جن کی پوری زندگی سے ایک اجتہادی کارنامہ بھی نکال کر نہیں بتایا جا سکتا۔

اتاترک کی مبالغہ آمیز تعریف سے تو مصنف نے صرف اتنا ہی ظاہر کیا تھا کہ ان کا معیار کمال انسانی کتنا بلند ہے، مگر جہاں انہوں نے اپنے ممدوح کو مسلمان اور وہ بھی پکا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہاں یہ راز بھی فاش ہو گیا کہ ماشاء اللہ ان کو اضداد کے جمع کرنے میں بھی پورا کمال حاصل ہے۔ دیباچہ میں جب ہم نے ان کے یہ الفاظ پڑھے کہ "اتاترک کے الحاد و بے دینی کے افسانے" یورپ کی خبر رساں ایجنسیوں کے پھیلائے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے "قدامت پرستوں" کا گروہ محض مغربی پروپیگنڈا کا شکار ہو گیا ہے تو ہمیں توقع ہوئی کہ آگے چل کر شاید کچھ اتاترک کے مسلمان ہونے

کی ایسی شہادتیں پیش کی جائینگی جو اس پروپیگنڈا کی پوری طرح تردید کرکے اُس کی دینداری ثابت کر دینگی۔ مگر جب اس بحث کا موقع آیا تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ فاضل مصنف نے اپنی تمام چیزوں سے اتاترک کے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے جو دراصل اس شخص کے نامسلمان ہونے کا ثبوت ہیں۔ وہ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اتاترک نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے یک قلم منسوخ کرکے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا۔ وراثت میں عورتوں اور مردوں کو مساوی قرار دیا۔ تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھیرایا۔ مصوری، بت تراشی اور موسیقی کے معاملہ میں وہ "مذہبی یا اخلاقی نقطۂ نظر کے قائل نہ تھے" اور "ترکوں و ماغوں سے اس مذہبی خیال کو محو کرنے کے لیے" انہوں نے خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، مصوری کے اسکول اور کالج قائم کیے، اور مہذب اقوام کے مختلف طرز کے رقص رائج کیے۔ "ترقی نسواں" کے سلسلہ میں انہوں نے پردہ کا کلّی استیصال کیا اور ترکی عورتوں کو آزادی کے ٹھیک اس مقام پر لاکر کھڑا کر دیا جس پر انکی مغربی بہنیں اس وقت کھڑی ہیں۔ ان سب واقعات کو بیان فرمانے کے بعد جناب مصنف پھر اپنی اس شکایت کو دہراتے ہیں کہ "ان انقلابی اصلاحات کے نفاذ سے یورپ کی بعض حریف قوتوں کو ترکی جمہوریہ اور غازی پاشا کی ذات کے خلاف بے دینی اور لامذہبی کے پروپیگنڈے کا موقع ہاتھ آگیا" اور یہ کہ "اس غلط پروپیگنڈا سے اسلامی ممالک میں غازی پاشا اور انکی حکومت کے خلاف عام طور پر بدظنی سی پیدا ہو گئی"۔ سبحان اللہ! قرآن کے صریح احکام سے بغاوت، اسلامی قانون کی مکمل تنسیخ اور اسلام کے اصولِ تہذیب و تمدن سے کلّی انحراف کے بعد بھی بے دینی و لامذہبی کا قصہ صرف "غلط پروپیگنڈا" ہی رہا اور ان حرکات سے مسلمانوں نے جو کچھ نتیجہ نکالا اسکی حقیقت "بدظنی" سے زیادہ کچھ نہ نکلی!!

فاضل مصنف جس امت سے تعلق رکھتے ہیں اسکی زبان میں ہر "تغیر" کا نام "اصلاح" ہے۔ قرآن نے جو قانون پیش کیا ہے اس کو بدل ڈالنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی تہذیب کے اصولوں کو منسوخ کر دینا بھی ان لوگوں کے نزدیک "اصلاح" ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ انکو ایسی رائے رکھنے کا پورا حق ہے اور ہم اس حق کو ان سے

سلب نہیں کر سکتے۔ مگر ہمیں اعتراض جس چیز پر ہے وہ صرف یہ ہے کہ آخر یہ لوگ متضاد باتیں کیوں کرتے ہیں۔ مسولینی نے اشتراکیت کو رد کر دیا اور اس کی جگہ فاشزم اختیار کر لیا۔ ہر صاحب عقل آدمی اس واقعہ کو بطور ایک واقعہ کے تسلیم کرے گا اور کہہ دے گا کہ مسولینی اشتراکی نہیں رہا بلکہ فاشسٹ ہو گیا۔ ایک مسلک سے ارتداد کے بعد بھی کسی شخص کو کھینچ تان کر اسی مسلک کا پیرو ثابت کرنا ظاہر ہے کہ کسی صحیح الدماغ آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہمارے ہاں "غیر مسلم مسلمانوں" کا ایک عجیب الخلقت گروہ پیدا ہو رہا ہے جو اسلام کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت کر کے ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کر لیتا ہے اور پھر اصرار کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم اس رد و قبول کے بعد بھی ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے اس حادثہ سے پہلے تھے۔ کیا یہ تناقض بیان کسی ذہنی الجھاؤ کی وجہ سے ہے، یا ان لوگوں میں ابھی اتنی قدامت پرستی باقی ہے کہ ایک پرانا فرسودہ نام جو باپ دادا کے وقتوں سے چلا آ رہا ہے اس کو کسی حال میں یہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے؟

یہ تبصرہ کچھ ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا ہے مگر مصنف کے چند "شاہکار" فقروں کی زیارت سے ناظرین کو محروم رکھنا ظلم سے کم نہ ہو گا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> "وہ ترکی آداب و معاشرت اور رسم و رواج تک میں مانگے تانگے کا کوئی حقیر جز بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ترکی زبان تک کو بھی، جس میں صدیوں سے ایرانی اور عربی زبانوں کے بیشتر الفاظ گھل مل چکے تھے اور الفاظ بھی ایسے جنکے بدل ترکی زبان میں نہ مل سکتے تھے، غازی پاشا نے غیر ملکی الفاظ سے پاک کر دیا۔"

خط کشیدہ فقرہ کی تشریح میں اگر لگے ہاتھوں یہ بھی ثابت کر دیا جاتا کہ ہیٹ اور لاطینی رسم الخط دراصل ترکوں سے یورپ والے مانگ لے گئے ہیں، تجارتی، فوجداری اور دیوانی قوانین دراصل ٹرکی میں بنے تھے جنہیں اٹلی، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے لوگ لے اڑے، اور انقرہ کی عمارات جس طرز

تعبیر پر مبنی ہیں وہ ترک اپنے ساتھ وسط ایشیا سے لائے تھے، تو یہ ایسا تاریخی انکشاف ہوتا جس پر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے :

"وہ ترک ایک نئی قوم بن گئے۔ نئے نئے حوصلے اور نئے نئے ارادے ان میں پیدا ہو گئے۔ مغربی تمدن کا طلسم ٹوٹ چکا۔ اور اسی کے ساتھ یورپ سے ان کی وہ مرعوبیت بھی رخصت ہوئی جو صدیوں سے ان کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھی"

دنیا میں آج تک جتنے طلسم ٹوٹے ہیں ان میں اس طلسم کا ٹوٹنا بس آپ ہی اپنی نظیر ہے ظالم کچھ اس طرح ٹوٹا کہ پورے ملک میں اب وہی وہ نظر آتا ہے۔ اس نرالی قسم کی شکست نے تو لغت میں "طلسم ٹوٹنے" کا مفہوم ہی بدل ڈالا۔ اور یہ مرعوبیت کے رخصت ہونے کا معاملہ بھی کچھ کم عجیب نہیں۔ بکری میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ بکری رہتے ہوئے بھیڑیے سے نہ ڈرتی۔ اب اس نے بھیڑیے کی کھال اوڑھلی ہے اور اپنی چال، ڈھال، آواز، ہر چیز میں بھیڑیوں کی نقل اتار رہی ہے تاکہ بھیڑیے اسے اپنا ہم جنس سمجھ کر چھوڑ دیں۔ ہم تو خدا سے چاہتے ہیں کہ بیچاری اسی چال کی بدولت جیتی رہ جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ سابقہ ان گرگان باراں دیدہ سے ہے جو اپنی جنس کے بہت سے بھیڑیوں کو پھاڑ چکے ہیں۔ کاش اس جاہل اتاترک نے قرآن اور سیرت محمدی کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعمیر کی ہوتی! اس کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالمگیر تبلیغی مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم تفاوت ہوتا ہے، تو وہ اپنی قوم کو پولینڈ، ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ روسی اشتراکیت سے بیس گنی زیادہ زبردست طاقت کے ساتھ چھوڑتا۔

مصنف کا سب سے زیادہ دلچسپ فقرہ یہ ہے اور بس اسی پر خاتمۂ کلام ہے :

"انہوں نے مذہب کی اصلی روح کو برقرار رکھتے ہوئے درویشوں اور مولویوں کی خود ساختہ اجارہ داری کو ختم کر دیا۔ امتدادِ زمانہ کے باعث توہمات نے جو اعتقادات کی صورت اختیار کر لی تھی انہیں دور کر دیا۔ ...... مذہب اسلام کے متعلق اتاترک کا نظریہ یہ تھا کہ مذہب تمدنی ترقیوں کی راہ میں حائل نہیں بلکہ دنیا کے سارے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس میں دنیاوی ترقیوں کا ساتھ دینے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس میں اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ درویشوں اور مولویوں کے وجود سے پیدا ہو گئی ہے .... اسی خیال کے ماتحت ترکی سرزمین کو اتاترک نے ملاؤں اور درویشوں کے وجود سے پاک کیا اور ترکوں کو مذہب اسلام کی اصلی روح سے مانوس ہونے کا موقع دیا۔ اور فی الحقیقت اتاترک کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مذہبی اصلاح کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی"۔

شاندار مگر بے معنی الفاظ کا کتنا عجیب مجموعہ ہے! ان لوگوں کے لچک دار اسلام کی کیا تعریف کی جائے! اس کمبخت میں اس غضب کی لچک موجود ہے کہ دنیاوی "ترقیوں" کی خاطر قرآن کا قانون منسوخ کر دینے تک کی گنجائش اس میں نکل آتی ہے۔ اور اس "مذہب اسلام کی اصلی روح" کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ ملا اور درویش کو سامنے رکھ کر اس طرح ڈائنامائیٹ سے اڑا دیئے کہ قرآن و سنت بھی ساتھ ساتھ اڑ جائیں۔ اسکے بعد جو کچھ بچ رہے اس کا نام "خالص روحِ اسلام" ہے!